قضاء بالقرآئن کا شرعی حکم

محمد عبدالعلی اچکزئی*

کسی بھی نظام عدل میں ''قانون شہادت'' کو وہی حیثیت حاصل ہوتی ہے جو انسانی جسم میں ریڑھ کی ہڈی کو، کیونکہ قانونِ شہادت ہی کی بنیاد پر دیوانی اور فوجداری مقدمات کا فیصلہ ہوتا ہے۔ فقہ میں شہادت کسی واقعہ کے بارے میں اپنے مشاہدے اور دید کے مطابق اخبار دینے کو کہتے ہیں نہ کہ ظن وتخمین کی بنیاد پر(۱) شہادت دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے پاس ایک امانت ہے، یعنی یہ کہ اگر کسی شخص سے کسی واقعے کے بارے میں دریافت کیا جائے اور اپنے مشاہدے کے ذریعے وہ حقائق کو جانتا ہو، تو اس کا فرض ہے کہ اپنے علم ومشاہدے کے مطابق صحیح صحیح بات حاکم مجاز کی عدالت میں بیان کردے، ارشاد ربانی ہے:

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَادُعُوْا (۲)

اور جب گواہوں کو (گواہی کے لیے) طلب کیا جائے تو انہیں انکار نہیں کرنا چاہیے''

اسی آیت سے متصل دوسری آیت میں ارشاد ہے:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ (۳)

''اور شہادت کو نہ چھپاؤ اور جو شخص شہادت کو چھپاتا ہے، اس کا دل گناہ گار ہے اور اللہ تعالیٰ اس چیز سے بخوبی واقف ہے جو تم کرتے ہو''

سورۃ مائدہ میں ارشاد ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ (۴)

''اے ایمان والو! اللہ کے واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دینے میں مستعد رہو''

مذکورہ بالا آیات سے مندرجہ ذیل نکات مستفاد ہوتے ہیں:

۱۔ پہلی بات یہ کہ شہادت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے پاس ایک امانت ہے جس کا ادا کرنا ضروری ہے۔

۲۔ دوسری یہ کہ شہادت کا چھپانا گناہ ہے۔

* ایسوسی ایٹ پروفیسر وصدر شعبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ، پاکستان

۳۔ تیسری یہ کہ ادائے شہادت کے وقت پوری دیانتداری برتنی چاہیے۔

شہادت کی اقسام:۔شہادت کی دو قسمیں ہیں (۱) قطعی شہادت (۲) ظنی شہادت

قطعی شہادت سے مراد وہ گواہی ہے جس میں قطعیت ہو،مثلاً زید نے دعویٰ کیا کہ اس نے وہ مکان (جو بکر کے قبضے میں ہے) بکر سے خرید لیا ہے،لیکن بکر اس بات سے انکار کرتا ہے کہ اس نے مکان مذکورہ زید کے ہاتھ فروخت کیا تھا،زید نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں جو گواہ پیش کیے انہوں نے شہادت دی کہ بکر نے مکان مذکور زید کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا،لیکن انہوں نے قیمت نہیں بتلائی تو شہادت رد کر دی جائے گی (کیونکہ اس شہادت میں قطعیت نہیں پائی جاتی) جیسا کہ المبسوط ہے:

واذا ادعیٰ رجل شراء دار فی یدرجل وشهد شاهدان وان لم یسمیا الثمن والبائع ینکر ذلك فشهادتهما باطلة (۵)

ظنی شہادت سے مراد وہ شہادت ہے جو ظن کی بنیاد پر دی جائے،مثلاً کسی عورت کا شوہر لاپتہ ہو اور اس نے اپنی بیوی کو ایک عرصہ تک بغیر نان ونفقہ کے چھوڑ رکھا ہو،اس صورت میں اگر عورت اپنے شوہر کے غائب ہونے یا نان ونفقہ کے بغیر چھوڑ رکھنے کا دعویٰ عدالت میں دائر کرے اور گواہ پیش کرے،ظاہر ہے کہ گواہ حتمی اور قطعی طور پر مذکورہ بالا دعویٰ کی شہادت نہیں دے سکتا،تو حاکم کو چاہیے کہ عورت سے گواہوں کی ظنی شہادت پر حلف لے،اگر عورت حلف اٹھالے تو فیصلہ صادر کر دے (٦) اس سے ثابت ہوا کہ قطعی شہادت کے نہ ہونے کی وجہ سے حاکم کے لیے ضروری ہے کہ ظنی شہادتوں کا تعمق نظر سے جائزہ لے اور اگر ان سے کوئی امر کسی حد تک قطعیت سے ثابت ہو جائے ،تو اس کی بنیاد پر فیصلہ صادر کر سکتا ہے۔

جس طرح ''شہادت'' کسی دعوے کی سچائی کے لیے ایک دلیل ہے،اسی طرح ''قرائن'' سے بھی کسی دعوے کا اثبات کیا جا سکتا ہے،ذیل میں قرائن کی تعریف،اقسام اور ان کی شرعی حیثیت پر بحث کی جائے گی۔

قرائن کی تعریف اور اقسام:۔قرائن قرینہ کی جمع ہے،جبکہ قرینہ کی تعریف یہ ہے: اَمْرٌ یشیر الی المطلوب (۷) ''کسی مطلوبہ چیز کی طرف اشارہ کرنے والے امر کو قرینہ کہا جاتا ہے'' قرینہ کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے وھبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:

هی کل امارة ظاهرة تقارن شیئاً خفیاً فتدل علیه ،یفهم من هذا التعریف انّه لابد فی القرینة من امر ین :

۱۔ ان یوجد امرٌ ظاهرٌ معروف یصلح اساساً للاعتماد علیه ۔

۲۔ ان توجد صلة مؤ شرة بين الامر الظاهر والامر الخفي ۔

وبمقدار قوة هذه الصلة تنقسم القرائن قسمين :قرائن قوية وقرائن ضعيفة وللفقهاء والقضاة دورملحوظ في استنباط نتائج معينة من القرائن ،ومن القرائن الفقهية اعتبار بالصلح للرجال من متاع البيت عند اختلاف الزوجين في ملكيته هو للرجل، كالعمامة والسيف ومايصلح للنساء فقط كالحلي هو للمرأة بشهادة الظاهر وملاحظة العرف والعادة (۸)

''ہرایسی ظاہری علامت جوکسی مخفی چیز کے ساتھ مقارن ہواوراس پر دلالت کرتی ہو،اس تعریف سے معلوم ہوا کہ قرینہ کے لیے دوچیزوں کا ہونا ضروری ہے:

۱۔ یہ کہ معروف امرظاہر موجود ہو جواساس بن سکتا ہواوراس پراعتماد ہوسکتا ہو۔

۲۔ امرظاہراورامرخفی کے درمیان علاقہ پایا جاتا ہو۔

اس علاقہ کی قوت کی بناء پر قرائن کی دوقسمیں ہیں ،قرائن قویہ اورقرائن ضعیفہ ۔فقہاء اورقضاۃ قرائن کوملحوظ رکھ کرمختلف نتائج مستنبط کرتے ہیں ،فقہی قرائن میں سے ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ زوجین کے اختلاف کی صورت میں جوسازوسامان ظاہری شہادت اور عرف وعادت کی بنیاد پرمردوں سے میل کھاتا ہووہ خاوند کی ملکیت تصورہوگا،جیسے عمامہ،تلواراورجوسامان عورتوں سے میل کھاتا ہووہ عورت کی ملکیت ہوگی،جیسے زیور۔

علامہ صالح بن غانم فرماتے ہیں کہ بعض قرائن قطعی ہوتے ہیں جبکہ بعض قرائن غیر قطعی یاظنی ہوتے ہیں۔ اس طرح بعض قرائن شرعی قرائن کہلاتے ہیں کیونکہ شریعت نے انہیں معتبر قراردیا ہواہوتا ہے،جبکہ بعض قرائن کو ''قانونی قرائن'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔(۹) اگرکوئی قرینہ قطعی ہواور درجہ یقین کو پہنچتا ہوتو صرف وہی قرینہ عدالتی فیصلہ کے لیے کافی سمجھا جائے گا،مثلاً کوئی شخص ہاتھ میں خنجر لیے جوخون میں لت پت ہوگھر سے باہرآئے اورگھر میں دیکھا جائے تو مقتول پڑا ہو،اس قرینہ کی بناپراس شخص کوقاتل قراردیا جائے گا۔اگرقرینہ غیر قطعی ہولیکن اس کے متعلق ظن غالب ہو،جیسے عرفی قرائن یاایسے قرائن جودعویٰ کے وقائع اورتصرفات سے مستنبط ہوتوایسے قرائن مرجح اورمؤید تصورہوں گے(۱۰)

قرائن کی اہمیت :۔مختلف قرائن کو دیکھ کرکسی معاملہ کافیصلہ کرنا بھی اصول شریعت کا حصہ ہے،خواہ قرینہ اصل حجت یعنی گواہوں کے ساتھ موجودہو یااقرار کے ساتھ ،یاحجت سرے سے ہی موجود نہ وہ اورقرینہ موجود

ہو۔چنانچہ قرینہ سماع دعویٰ کے مانع ہوتا ہے جیسے :مثلاً تنگدست فقیر نے کسی غنی مالدار کو قرضہ دینے کا دعویٰ کیا، بسا اوقات تہمت کی حالت موجود ہونے کی صورت میں گواہی کو یا اقرار کو رد بھی کر دیا جاتا ہے،مثلاً گواہ مدعی (مشہود لہ) کا قریبی رشتہ دار ہو یا اقرار مرض الموت میں کیا ہو۔بسا اوقات قرینہ کو حجتیں متعارض ہونے کے وقت ترجیح دی جاتی ہے،بسا اوقات قرینہ کو ہی مستقل دلیل اور حجت تسلیم کر لیا جاتا ہے،جب کہ کوئی دوسری دلیل موجود نہ ہو(۱۱)

ابن قیم قرائن کی اہمیت واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بینہ کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوگا جو حق پر دلالت کرے اور اس کو واضح کرے جس کسی نے اس کو دو گواہوں ،چار گواہوں یا ایک گواہ سے مخصوص کر دیا اس کے مفہوم کا پورا حق ادا نہیں کیا۔قرآن پاک میں ہرگز یہ نہیں آیا کہ بینہ سے مراد دو گواہ ہیں،بینہ کا لفظ قرآن میں واحد اور جمع ہر صورت میں حجت ،دلیل اور برہان کے معنوں میں وارد ہوا ہے اور اس طرح رسول اللہ ﷺ نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ :البینۃ علی المدعی (۱۲) تو اس سے مراد دلیل ،حجت ، برہان ،گواہ اور ہر وہ امر ہے جس سے مدعی اپنا دعویٰ ثابت کر سکے اور یہ مدعی کے ذمہ ہے تا کہ اس کے حق میں فیصلہ کیا جا سکے،دو گواہ بھی دراصل ثبوت دعویٰ کی ایک قسم ہے،یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ گواہوں کے علاوہ کوئی اور دلیل بھی بعض اوقات گواہوں کی شہادت سے زیادہ قوی ہو سکتی ہے،مثلاً وہ حالات وقرائن جن سے مدعی کی صداقت ثابت ہو،کیونکہ یہ قرائن شاہد کے بیان سے زیادہ قوی ہو سکتے ہیں''(۱۳)

ایک اور مقام پر وہ لکھتے ہیں:

فهذه المسألة الكبيرة ،عظيمة النفع ،جليلة القدر ،ان اهملها الحاكم اوالولى اضاع حقاكثيراً واقام باطلاً كبيراً ، وان توسع وجعل معلوله عليها ،دون الاوضاع الشريعة وقع فى انواع من الظلم والفساد (۱۴)

''یہ سوال (قرائن اور علامات سے استدلال کرتے ہوئے فیصلہ کرنا) بہت قدر واہمیت کا حامل ہے اور بڑا عظیم اور کثیر الفوائد بھی ہے،اگر جج یا حاکم ان قرائن وعلامات سے صرف نظر کر لے تو حق کثیر کو ضائع کر دے گا اور باطل کی معاونت کا مرتکب ہوگا،اگر توسع کرتے ہوئے اپنا تمام تر انحصار قرائن (وقیافہ اور قیاس وفراست) پر رکھے اور انصاف کے شرعی اصولوں کو نظر انداز کر دے تو ظلم وفساد کی گمراہیوں میں مبتلا ہو جائے گا''

وہ مزید لکھتے ہیں:

''اگر ایک جج علامات وقرائن اور دلائل حال ومقال کا اس طرح فہم حاصل نہ کرے جس طرح وہ احکامات کے کلیات اصول وتفاصیل اور جزئیات کا فہم رکھتا ہے تو وہ حقداروں کے حقوق کو ضائع کرے گا اور اس قسم کے غلط فیصلہ کرے گا جن کی غلطی عوام تک پر ظاہر ہوگی'' (۱۵)

قرائن اور دلائل احوال کے ذریعے فیصلے پر حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے استدلال کیا جاتا ہے، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان الفاظ میں کیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وَجَآءُوْا عَلٰی قَمِیْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا۔(۱۶)

''اور یوسف کے کرتے کو جھوٹ موٹ کے خون سے خون آلودہ کر لائے تھے، باپ نے کہا یوں نہیں ، بلکہ تم نے اپنے دل ہی سے ایک بات بنالی ہے''.

آگے مزید ارشاد ہے:

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ۝ وَاِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۝(۱۷)

''اور گواہی دی ایک گواہ نے عورت کے لوگوں میں سے، اگر ہے اس کا کرتہ پھٹا آگے سے تو عورت سچی ہے اور وہ ہے جھوٹا، اور اگر ہے کُرتہ اس کا پھٹا پیچھے سے تو یہ جھوٹی ہے اور وہ ہے سچا''.

پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ برادران یوسف علیہ السلام جب حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتہ پر خون لگا کر لائے اور اپنے والد سے کہا کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا اور اپنی بات کی تصدیق کے لئے بطور سند خون آلود کرتہ پیش کیا، تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اندازہ لگا لیا کہ یوسف کو بھیڑیئے نے نہیں کھایا، اور اس نے کرتہ کے صحیح سالم ہونے سے برادران یوسف علیہ السلام کے جھوٹ پر استدلال کیا.

آخری دو آیتوں میں ارشاد ہے کہ جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام پر ان کے ساتھ بدکاری کا الزام لگایا تو اس موقع پر ایک شاہد نے (جو مشہور روایت کے مطابق ایک شیر خوار بچہ تھا) یہ شہادت دی کہ اگر یوسف علیہ السلام کا کرتہ آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور اگر پیچھے سے پھٹا ہے تو یوسف علیہ السلام سچے ہیں، گواس شاہد نے کرتے کے پیچھے پھٹنے کو اس کی علامت قرار دیا کہ یوسف علیہ السلام بھاگ رہے تھے زلیخا پکڑ رہی تھی، اس لئے یوسف علیہ السلام معصوم ہیں اور زلیخا مجرم ہے.

مذکورہ آیات سے فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ قاضی یا حاکم کو فریقین کے دعوے اور دلائل کے ساتھ علامات اور قرآئن کو بھی مدنظر رکھنا چاہئے، اگر چہ محض علامات وقرائن کو کافی ثبوت کا درجہ نہیں دیا جا سکتا، جیسا کہ

علامہ بصاص لکھتے ہیں:

وهذا يدل على ان الحكم بما يظهر من العلامة فى مثله فى التكذيب او التصديق جائز لانه عليه السلام قطع بان الذئب لم يأكله بظهور علامة كذبهم (۱۸)

''یہ چیز اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس جیسی صورت حال میں ظاہری نشان اور علامت کو دیکھ کر تصدیق یا تکذیب کا حکم لگانا جائز ہے،اس لئے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو قطعی طور پر یقین ہوگیا تھا کہ یوسفؑ کو بھیڑئے نے نہیں کھایا ہے ،اس لئے کہ بیٹوں کی کذب بیانی کی علامت واضح طور پر ظاہر ہوچکی تھی''.

الکیا سی الھراسی لکھتے ہیں:

ومن الناس من يحتج بذلك فى حكم بالعلامة فى اللقطة وكثير من المواضع. (۱۹)

''اور بعض لوگ لقطہ (گری پڑی چیز) اور دیگر بہت سی جگہوں پر علامات کی بنیاد پر حکم دینے میں اس سے استدلال کرتے ہیں''.

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

استدل الفقهاء بهذه الآية فى اعمال الامارات فى مسائل من الفقه كالقسامه وغيرها، واجمعوا على ان يعقوب عليه السلام استدل على كذبهم بصحة القميص، وهكذا يجب على الناظر ان يلحظ الامارات والعلامات اذا تعارضت، فما ترجح منها قضى بجانب الترجيح. (۲۰)

''اس آیت سے فقہاء نے فقہ کے مسائل مثلاً: قسامت وغیرہ میں علامات پر استدلال کیا ہے، (قسامت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی آبادی ومحلّہ یا اس کے قریب میں کوئی مقتول پایا جائے اور قاتل کا پتہ نہ چلے تو اس آبادی یا محلّہ کے باشندوں میں سے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے کہ ہم نے نہ اس کو قتل کیا ہے اور نہ اس کے قاتل کا ہمیں علم ہے)(۲۱) اور وہ اس پر متفق ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے قمیص کے درست ہونے پر اپنے بیٹوں کے جھوٹ بولنے پر استدلال کیا تھا، اسی طرح دیکھنے والے پر لازم ہے کہ وہ تضاد واقع ہونے پر علامات کو ملحوظ نظر رکھے، پس جس جانب ترجیح پائے اسی جانب فیصلہ کرے''.

قرائن اور دلائل کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کی مثالیں سنت نبوی سے بھی دی جاسکتی ہے،مثلاً:

دارقطنی اور بعض دیگر محدثین حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے سفر خیبر کا ارادہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض کی کہ میں خیبر جانے کا ارادہ رکھتا ہوں، آپؐ نے فرمایا:

فاذاتیت وکیلی فخذ منه خمسة عشر وسقاً ،فاذا طلب منك آیة فضع یدك علی ترقوته (۲۲)

''جب تم میرے وکیل کے پاس پہنچو تو اس سے پندرہ وسق لے لینا اور اگر وہ کوئی نشانی طلب کرے تو اپنا ہاتھ اس کی ہنسلی کی ہڈی پر رکھ دینا''

یہ نشانی طالب کو کوئی چیز حوالے کر دینے میں اعتماد کے لیے کافی ہے اور شاہد کے قائم مقام ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے راہگیر کو اجازت دی ہے کہ اگر وہ کسی شخص کے پھلدار درختوں کے پاس سے گزرے تو اس کا پھل کھا سکتا ہے، لیکن اٹھا کر ساتھ نہ لے جائے، درآنحالیکہ ان درختوں کے گرد کوئی دیوار نہ ہو اور نہ ہی کوئی نگہباں ۔یہ صورت حال کا قرینہ ہے جو راہ گیر کے لیے غیر کا پھل کھا لینے کی اجازت کے قائم مقام ہے۔(۲۳)

قرائن کے ذریعہ فیصلہ کرنے کی مثال میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے جبکہ دو عورتوں نے ایک بچے کی ماں بننے کا دعوی کیا، اس سے پیشتر حضرت داؤد علیہ السلام بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر چکے تھے، تاہم جب وہ حضرت سلیمانؑ کے پاس آئیں تو آپ نے فرمایا: چھری لاؤ تا کہ ان دونوں کے درمیان اسے کاٹ کر تقسیم کر دوں، بڑی عورت تو اس پر رضامند ہو گئی مگر چھوٹی عورت نے کہا: اللہ آپ پر رحم کرے، آپ ایسی بات نہ کیجئے یہ بچہ اسی کو دے دیجئے، یہ دیکھ کر آپ نے چھوٹی کے حق میں قرائن سے اندازہ لگا کر فیصلہ کر دیا۔(۲۴)

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن قیم لکھتے ہیں:

''اس ظاہری قرینہ سے بڑھ کر کیا کوئی اور چیز ہو سکتی ہے؟ آپ نے بڑی دعوے دار عورت کی رضامندی سے یہ معلوم کر لیا کہ وہ اپنا بچہ گم کر دینے کے بعد اپنے دل کو اس طرح جھوٹا اطمینان دینا چاہتی ہے کہ چھوٹی کا بچہ ضائع کروا کے اسے بھی اپنے مقام پر لے آئے اور چھوٹی کی شفقت اور اس فیصلہ پر اس کی عدم رضامندی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بچے کی حقیقی ماں ہے، اللہ تعالیٰ نے ماں کے دل میں جو فطری شفقت ودیعت کی ہے اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ یعنی اصل ماں اپنے دعوے سے دستبردار ہو جائے ۔حضرت سلیمانؑ نے اس واضح اور قوی قرینے سے حق کو پہچان لیا اور اس کے مطابق فیصلہ دے دیا، کیونکہ اگر اقرار کسی ایسی عدالت کی بنا پر ہے جسے جج جانتا ہے تو وہ

اس اقرار کو قابل اعتنا سمجھے گا'' (۲۵)

اسی طرح حضرت عمر بن الخطابؓ اور دیگر صحابہؓ نے ایک دفعہ اس عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دے دیا تھا جس کا حمل نمودار ہو گیا تھا اور نہ تو اس کا کوئی شوہر تھا اور نہ اس کا کوئی آقا تھا، چنانچہ ایسے مسئلے میں امام مالک اور امام احمد کا صحیح مسلک یہی ہے، کیونکہ اس میں زنا کاری کا قرینہ بالکل واضح ہے۔(۲۶)

قرآن وحدیث کی مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں فقہاء کرام نے بھی علامات وقرائن کو مشروع قرار دیا ہے، جیسا کہ امام علاؤالدین ابی الحسن بن خلیل الطرابلسی لکھتے ہیں:

ولاخلاف فی الحکم بها، وقد جاء العمل بها فی مسائل اتفق علیها الطوائف الاربع من الفقهاء. (۲۷)

قرائن وشواہد کی بنا پر فیصلہ کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، متعدد مسائل میں قرائن پر عمل کرنے کی ایسی مثالیں موجود ہیں جن پر مذاہب اربعہ کے فقہاء کا اتفاق ہے''۔

اس کے بعد علامہ موصوف نے ۱۲۵ ایسے مسائل نقل کئے ہیں جن میں فقہاء نے قرائن پر فیصلہ کیا ہے مثلاً:

جواز وطء المرأة اذا اهديت اليه ليلة الزفاف وان لم يشهد عنده عدلان من الرجال ان هذه فلانةبنت فلان التی عقدت علیها وان لم یستنطق النساء ان هذه امراة اعتماد علی القرینة الظاهرة المنزلة منزلة الشهادة". (۲۸)

''شادی کے موقع پر جو عورت مرد کے سپرد کی گئی ہو اس کے ساتھ ہمبستری بالاتفاق جائز ہے اگرچہ دو مردوں یا عورتوں نے گواہی یا اطلاع نہ دی ہو کہ یہ وہی عورت ہے جس کے ساتھ نکاح ہوا ہے (اور مرد نے اس کو پہلے دیکھا بھی نہ ہو) اس صورت میں قرینہ حال کو شہادت کا درجہ دیا گیا ہے''۔

امام جصاص نے سورۃ یوسف کی آیات مذکورہ بالا کی تفسیر میں بعض فقہاء کے ایسے اقوال نقل کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض خصومات میں علامات وقرائن کی مدد سے فیصلے کئے جا سکتے ہیں، مثلاً: وہ لکھتے ہیں:

وقال ابو حنیفه ومحمد فی متاع البیت اذا اختلف فیه الرجل والمرأة ان ما یکون للرجال فهو للرجل وما کان للنساء فهو للمرأة وما کان للرجل والمرأة فهو للرجل فحکموا فیه بظاهر هیئة المتاع،وقالوا فی المستاجر والمؤاجر اذااختلفا فی مصراع باب موضوع فی الدار انه کان وفقالمصراع معلق فی البناء فالقول قول رب الدار وان لم یکن وفقاله فالقول قول المستاجر وکذلك ان کان جذع مطروح فی دار وعلیه نقوش وتصاویر

موافقة لنقوش جذوع السقف ووفقا لها فالقول قول رب الدار وان كانت مخالفة لها فالقول قول المستأجر (۲۹)

''گھر کے سامان کے متعلق اگر میاں بیوی میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس صورت میں طرفین کے نزدیک گھر میں مردانہ استعمال کی جو چیزیں ہوں گی وہ مرد کو مل جائیں گی اور زنانہ استعمال کی چیزیں عورت کو دے دی جائیں گی لیکن جو چیزیں مشترک استعمال کی ہوں گی وہ مرد کو مل جائیں گی، اس مسئلے میں ہمارے اصحاب نے گھریلو سامان کی ظاہری ہیئت کے مطابق فیصلہ دیا ہے، اگر مکان کرایہ پر دینے والے اور کرایہ پر لینے والے کے درمیان گھر میں رکھے ہوئے دروازے کے ایک پٹ کی ملکیت کے بارے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو ہمارے اصحاب کا قول ہے کہ اگر دروازے کا یہ پٹ عمارت میں لگے ہوئے دروازے کے پٹ کے مطابق ہے تو اس صورت میں گھر کے مالک کا قول قابل اعتبار ہوگا اور اگر اس کے مطابق نہ ہو تو پھر کرایہ لینے والے کا قول معتبر ہوگا، اسی طرح اگر چھت کی کوئی کڑی کسی مکان کے احاطے میں پڑی ہو اور اس پر ایسے نقوش اور تصاویر ہوں جو اس مکان میں لگی ہوئی کڑیوں کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوں، نیز یہ کڑی ان کڑیوں کی طرح ہو تو اختلاف کی صورت میں گھر کے مالک کا قول قابل اعتبار ہوگا، بصورت دیگر کرایہ پر مہینے والے کا قول معتبر ہوگا''۔

مذکورہ بالا عبارت سے قرائن کی اہمیت واضح ہوتی ہے، اس لئے حاکم کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسے قرائن اور حالات کا پتہ چلائے جن سے مقدمہ کا صحیح فیصلہ کرنے کا راستہ واضح اور روشن ہو سکے، البتہ جمہور فقہاء کے نزدیک حدود وقصاص میں سوائے ''قسامۃ'' کے صرف قرائن کی بنیاد پر حد جاری نہیں کی جا سکتی، (۳۰) بلکہ حد کی بجائے تعزیری سزا دینا ہی زیادہ احوط ہے، کیونکہ دلیل قطعی یعنی گواہ، اقرار وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے صرف قرائن کی بنیاد پر فیصلہ کرنے میں شبہ موجود ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں، جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

ادرؤ الحدود بالشبهات. (۳۱)

''حدود کو شبہات سے ساقط کرو''۔

یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ اگرچہ غریب ہے لیکن ابن ابی شیبہ زہری سے روایت کرتے ہیں:

ادفعوا الحدود بكل شبهة. (۳۲)

''حدود کو ہر شبہ سے دفع کرو''۔

لیکن مالکیہ اور حنابلہ میں بعض فقہاء حدود وقصاص کے مقدمات میں ایسے قرائن قاطعہ کو بھی غیر معمولی حیثیت دیتے ہیں جن سے مجرم کی نشاندہی ہوتی ہو۔

بہرحال مقدمات کے فیصلوں میں علامات وقرائن کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اور اس جدید دور میں پوسٹ مارٹم، خون ٹیسٹ، ڈی این اے ٹیسٹ، بالوں وہاتھوں کے نقوش، آڈیو وڈیو اور دیگر جدید آلات کے علاوہ علم القیافہ اور مقتول کے نزعی بیان کو قرائن کا درجہ حاصل ہے۔ ذیل میں ان قدیم وجدید قرائن پر قدرے تفصیل سے بحث کی جاتی ہے۔

۱۔ پوسٹ مارٹم (Post Mortem):۔ پوسٹ مارٹم انگریزی زبان کا ایک مرکب لفظ ہے، جس میں پوسٹ کے معنی ہیں After یعنی بعد اور مارٹم کے معنی ہیں Death یعنی موت۔ چنانچہ پورے لفظ کا بامحاورہ ترجمہ بعد الموت یا موت کے بعد ہوگا۔ یہ اصطلاح طب جدید میں مُردے کے ساتھ جو تحقیقی افعال برتے جاتے ہیں، اس کے لئے استعمال ہوتی ہے، موت کے بعد مندرجہ ذیل تحقیقی کام مُردے پر ہوتے ہیں۔

۱۔ برائے تشریح (Dissection):اس قسم کی پوسٹ مارٹم کی مدد سے بدن کے افعال اور امراض کا سمجھنا آسان ہوتا ہے۔

۲۔ برائے تحقیق (Research):اس کی مدد سے غیر تشخیص شدہ امراض کی تشخیص ہوتی ہے۔

۳۔ برائے تفتیش (Mediolegal):یہ پوسٹ مارٹم غیر طبعی موت کے سلسلے میں موت کا وقت، اس کا سبب اور ان دوسرے تفصیلات کو معلوم کرنے کے لئے کیا جاتا ہے، جو قانون کو مطلوب ہو۔

عوام عموماً اس تیسری قسم کے پوسٹ مارٹم سے واقف ہیں، یہ پوسٹ مارٹم ان مردوں کا ہوتا ہے، جن کے بارے میں عدالتی تفتیش اور مقدمات کی کارروائی ہوتی ہے، اس قسم کی پوسٹ مارٹم کی افادیت میں درج ذیل چیزیں شامل ہے۔

مثلاً رپورٹ داخل ہوتی ہے کہ مریض طبعی موت مرا ہے، پوسٹ مارٹم معائنے میں گلے پر پھندے کا نشان ملتا ہے، جس کے رنگ وغیرہ سے وقت کا تعین بھی ہو سکتا ہے، اس طرح بڑی غلط فہمی دور ہو جاتی ہے۔ بدن کے ظاہری تفصیلی معائنے کے دوران اگر کسی جگہ انجکشن کا نشان مل جائے اور مریض کے علاج معالجہ کے لئے کوئی انجکشن نہ لگایا ہو تو زہریلے انجکشن سے اس کی موت واقع ہونے کا پتہ لگایا جا سکتا ہے، مثلاً رپورٹ میں لکھا ہے کہ مریض نے کان پٹی پر پستول رکھ کر فائر کر کے خودکشی کی ہے، بدن کے ظاہری معائنے میں پتہ چلتا ہے کہ کان پٹی پر رکھ کر یا بالکل قریب سے جو فائر ہو تو اس کے ساتھ بارودی اثر سے جلد سیاہ ہو جاتی ہے، جبکہ دور کے فائر سے جگہ بالکل

صاف ہوتی ہے ۔اس طرح معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ خودکشی نہیں بلکہ دور سے فائر کرکے قتل کیا گیا ہے ۔یا مثلاً بعض اوقات کسی بچے کی پیدائش ہوتے ہی اسے وراثت اور جائیداد کے جھگڑوں کی وجہ سے قتل کردیا جاتا ہے،لیکن رپورٹ میں لکھا ہوتا ہے کہ بچہ مردہ پیدا ہوا ہے ،اس صورت میں بچے کے پھیپھڑے کا ٹکڑا لیا جاتا ہے ،اسے پانی میں ڈال دیتے ہیں ،اگر پھیپھڑے کا ٹکڑا تیرنے لگے تو اس کا مطلب ہے کہ بچہ زندہ پیدا ہوا تھا ،بعد میں مرا ہے ،لیکن اگر پھیپھڑے کا ٹکڑا نہ تیرنے لگے تو اس کا مطلب ہوگا کہ بچہ مردہ پیدا ہوا ہے ،موت بعد میں واقع نہیں ہوئی ہے۔ کیس داخل ہوتا ہے کہ آدمی طبعی موت مرا ہے ،پیٹ چاک کرکے معدے کے اندر سے زہر برآمد ہوجاتا ہے جو موت کی اصل وجہ ہوتی ہے ۔اس طرح پوسٹ مارٹم کے ذریعے پیچیدہ کیسوں کے راز معلوم ہوجاتے ہیں ،جن میں بعض اوقات صرف گواہی صحیح فیصلہ تک نہیں پہنچا سکتی ۔(۳۳)

رابطہ عالم اسلامی کے ماتحت قائم المجمع الفقہ الاسلامی کے دسویں اجلاس منعقدہ مکہ مکرمہ مورخہ ۲۴ تا ۲۸ صفر ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۷ تا ۲۱ اکتوبر ۱۹۸۷ء میں مذکورہ موضوع پر غور وخوض اور مباحثہ کیا گیا ،المجمع الفقہ الاسلامی نے محسوس کیا کہ لاشوں کا پوسٹ مارٹم ایسی ضرورت ہے جس کی بناء پر پوسٹ مارٹم کی مصلحت انسانی لاش کی بے حرمتی کے مفسدہ پر فوقیت رکھتی ہے ،چنانچہ مجلس کے ارکان نے اتفاق رائے سے طے کیا کہ مندرجہ ذیل مقاصد کے تحت لاشوں کا پوسٹ مارٹم جائز ہے ۔

۱۔ تعزیراتی مقدمہ میں موت یا جرم کے اسباب کی دریافت قاضی کے لئے دشوار ہو اور پوسٹ مارٹم کے ذریعہ ہی اس کی دریافت ہوسکتی ہو۔

۲۔ پوسٹ مارٹم کے متقاضی امراض کی دریافت مطلوب ہو ،تاکہ اس کی روشنی میں ان امراض کے لئے مناسب علاج اور ضروری احتیاطی اقدامات کئے جاسکیں ۔(۳۴)

۲۔امتحان خون :(Blood Test) :خون کا تجزیہ :۔خون کا تجزیہ اور امتحان بھی قتل کے مقدمات میں بطور شہادت کے مؤثر ہوسکتا ہے ،اگر قاتل اور مقتول کے کپڑوں پر موجود خون کی ایک ہی جسم کا خون ہو (مقتول کے جسم کا) اور قاتل موقع پر پکڑا گیا ہو،نیز قاتل کے خلاف گواہ بھی ہوں تو ایسی صورت میں خون کی حیثیت قرینہ کی بن جائے گی ۔اگر جائے واردات پر خون آلود آلہ قتل ہو اور بعد امتحان یہ ثابت ہو کہ آلہ قتل میں جو خون لگا ہوا ہے وہ مقتول ہی کا خون ہے ، اس آلہ کا مالک بھی جائے واردات پر پکڑا جائے تو آلہ قتل میں لگے ہوئے خون کی حیثیت قرینہ کی ہوجائے گی اور آلہ قتل کے مالک کو مجرم قرار دیا جائے گا ، بشرطیکہ دیگر امور اس میں مزاحم نہ ہوں ۔بہرحال خون کے امتحان سے مندرجہ ذیل امور کا انکشاف ہوسکتا ہے :

۱۔ کیا مقتول خون بہنے سے پہلے ہی مر چکا تھا؟

۲۔ خون وریدکا ہے یا شریان کا،اس سے زخم کی نوعیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

۳۔ خون کسی دوسری قسم کے زخم کی وجہ سے تو نہیں نکلا ہے؟ یعنی کتے کے کاٹنے یا سانپ،بچھو اور جونک کی وجہ سے۔

۴۔ کہیں یہ خون نکسیر،بواسیر یا حیض کا تو نہیں ہے؟

۵۔ یہ خون کسی جانور کا تو نہیں ہے؟ (۳۵)

۳۔بالوں اور ہاتھوں کے نقوش:۔اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس صناعی ونقاشی کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے کہ اس نے ہرانسان کے اعضاء اور جوارح ایک ہی طرح پر بنائے ہیں،لیکن اس دنیا کی اربوں کی آبادی میں کسی انسان کا کوئی عضودوسرے انسان سے نہیں ملتا ،مثلاً ہرانسان کے چہرے پرایک ناک ، دوہونٹ،دو آنکھیں ،ابرواور رخسار ہیں،لیکن کسی انسان کا چہرہ کسی دوسرے انسان سے نہیں ملتا۔اسی طرح ہرانسان کے ہتھیلی اورانگلیاں ہیں لیکن کسی انسان کے ہاتھوں کی لکیریں اورانگوٹھے کے نشانات دوسرے انسان کے ہاتھوں کی لکیروں اورانگوٹھے کے نشانات سے نہیں ملتے۔انسانی عقل صانع مطلق کی اس کاریگری کو دیکھ کر سوائے مبہوت رہ جانے کے اورکیا کرسکتی ہے۔انسان کے بدن پر جو بال ہیں ان کا بھی یہی حال ہے،خوردبین سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوسکتا ہے کہ ہرانسان کے ہر بال پر نقش ونگار بنے ہوئے ہیں اورتعجب انگیز امر یہ ہے کہ کسی انسان کے بال کے نقش ونگار دوسرے انسان کے بال کے نقش ونگار سے نہیں مل سکتے۔اسی بناء پر دورجدید میں مجرموں کا پتہ لگانے کے لئے یہ طریقہ بھی استعمال کیا جاتا ہے کہ موقع واردات کی بڑی احتیاط سے تلاشی لی جاتی ہے،اگر اس جگہ کوئی ٹوٹا ہوا بال مل جاتا ہے تو اسے محفوظ کرلیا جاتا ہے،یا اگر موقع واردات پر ریوالور مل جاتا ہے تو اسے نہایت احتیاط سے اٹھا کر اس کی فلم تیار کی جاتی ہے،اگر قاتل نے ریوالور کو استعمال کر کے اسے وہیں چھوڑ دیا تھا تو لازماً اس کے ہاتھ کے نقوش اس پر موجود رہتے ہیں،اس کے بعد ملزم کے ہاتھ کے نقوش حاصل کر کے ان کا ریوالور پر مرتسم نقوش سے مقابلہ کیا جاتا ہے،اگر نقوش مل جاتے ہیں تو ملزم کو قاتل قرار دے دیا جاتا ہے۔اس طریقے کو بھی قرینہ کا درجہ دیا جاسکتا ہے ،بشرطیکہ دیگر ذرائع بھی اس کے مؤید ہوں۔(۳۶)

۴۔ویڈیو آڈیو کی حیثیت:۔جس وقت قاتل قتل کررہا تھا،اگر کسی نے اسی حالت میں اس کی تصویر اتار لی یا ویڈیو بنالی (اورآجکل ایسا ویڈیو بنانا بہت آسان ہے،کیونکہ تقریباً ہرانسان کے پاس ایسا موبائل فون ہوتا ہے جس میں متحرک تصاویر کو ضبط کیا جاسکتا ہے) تو جرم ثابت کرنے کے لئے اس ثبوت کو قبول کرنا چاہئے ،بشرطیکہ دیگر ذرائع بھی اس

کے مؤید ہوں، نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ آجکل فوٹو اتارنے کی تکنیک میں جعلسازی بھی ہوتی ہے، نیز کسی کمرے میں ٹیپ ریکارڈ لگا ہوا تھا، عین اسی وقت قاتل اس کمرے میں آیا اور اس کے اور مقتول کے درمیان تلخ کلامی ہوئی، پھر قاتل نے مقتول پر حملہ کیا، زخمی ہونے کے بعد مقتول چیخا، قاتل اور مقتول کے درمیان ہونے والا مقابلہ اور مقتول کی چیخ وپکار ریکارڈ ہوگئی، اب اگر آواز کے ماہرین اس بات کی تصدیق کردیں کہ ریکارڈ شدہ آواز ملزم ہی کی آواز ہے، تو ان کی رائے کو بطور شہادت تسلیم کیا جانا چاہئے۔ (۳۷) اسی طرح اگر کسی سیف کو کھول کر اس میں سے رقم چرائی گئی ہو اور ملزم کے ہاتھ کے نشانات (Finger Print) سیف کے ہینڈل پر موجود ہوں اور ماہرین تصدیق کردیں کہ وہ نشانات ملزم ہی کے ہاتھ ہیں تو ان نشانات کی حیثیت بھی قرینے کی ہوگی۔

۵۔ کتوں اور کھوجیوں کی مدد سے مجرم کی نشاندہی:۔ آج کل اصل مجرم کا پتہ لگانے کے لئے کتوں اور کھوجیوں کو تربیت دی جاتی ہے اور اکثر اوقات وہ اصل مجرم کا پتہ لگانے میں کامیاب ہی ہوجاتے ہیں، اگر ایسی کوئی صورت بن جائے اور ملزم کا استعمال کردہ کپڑا یا کوئی چیز اس جگہ سے مل جائے جہاں چوری کا ارتکاب کیا گیا تھا اور تربیت یافتہ کتے اس کپڑے کی بنیاد پر اصل مجرم کی نشاندہی کریں تو ان کی نشان دہی کو بالکل رد نہیں کیا جائے گا، بلکہ اسے بھی قرائن کے ضمن میں شمار کیا جاسکتا ہے، اسی طرح کھوجیوں کی رائے بھی قرینہ بن سکتی ہے، تاہم اس کی حیثیت محض مؤید کی ہوگی۔ (۳۸)

۶۔ علم القیافہ:۔ قیافہ، قوف (ق و ف) سے مشتق ہے جس کا لغوی معنی ہے کھوج لگانا، تلاش کرنا، ڈھونڈنا، نشانات دیکھنا اور پیچھا کرنا۔ ان اوصاف وعلامات کے حامل شخص کو عربی میں قائف اور اردو میں قیافہ دان یا قیافہ شناس کہا جاتا ہے۔ (۳۹) علم قیافہ ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعے کسی کے ہاتھ پاؤں، چہرہ اور جسم کے دیگر اعضاء کو دیکھ کر قائف آدمی کے باطنی اخلاق دریافت کرلیتا ہے، یا اس کے ذریعے وہ باپ اور بیٹے یا بھائیوں میں مشابہت دیکھ کر یہ معلوم کرلیتا ہے کہ وہ فلاں کا بیٹا یا بھائی ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک یہ ایک صحیح علم ہے اور نسب کے سلسلے میں اس کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے، درج ذیل حدیث اس کے وجوب کی دلیل ہے۔

عن عائشةؓ قالت دخل علیَّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ذات یوم وھُو مسرورٌ فقال ای عائشة الم تری انَّ مُجَزِّزاً المدلجی دخل فرأی اُسامة وزیداً وعلیھما قطیفة قد غطّیا رؤسھما وبدت اقدامھما فقال ان ھٰذہ الاقدام بعضھا من بعض (۴۰)

''حضرت عائشہؓ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز میرے یہاں تشریف لائے، آپ کا چہرہ مبارک کوشی سے دمک رہا تھا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ کیا تجھے خبر ہے کہ

آج مجزز آئے اور انہوں نے زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید کو دیکھا، دونوں نے اپنا سر چادر سے ڈھانپ رکھا تھا اور پاؤں ننگے تھے، اس نے کہا کہ یہ پاؤں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں''

دور جاہلیت میں لوگ حضرت اسامہؓ کے نسب پر شکوک وشبہات کا اظہار کرتے تھے، اس لئے کہ اسامہؓ سیاہ فام تھے اور ان کے والد زید بن حارثہؓ سفید تھے، ابوداود نے احمد بن صالح سے یہی بات روایت کی ہے، جاہلیت کے زمانے میں قیافہ شناس کے قول پر اعتماد کیا جاتا تھا، لہذا جب اس قیافہ شناس نے باپ بیٹے کی رنگت کے اختلاف کے باوجود نسب کا اثبات کیا تو حضور ﷺ بہت خوش ہوئے اس لئے کہ آپؐ لوگوں کو کسی کے نسب پر طعن کرنے کے بارے میں عتاب فرمایا کرتے تھے۔قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ احمد بن صالح کے علاوہ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ زید بن حارثہ کا رنگ گورا تھا، اسامہ کی والدہ سیاہ فام تھیں، ان کا نام برکہ اور کنیت اُم یمن تھی۔(۴۱)

اسی طرح قتادہ نے سعید بن المسیب سے دو آدمیوں کے بارے میں روایت کی ہے کہ دونوں نے ایک ہی طہر میں ایک عورت کے ساتھ مجامعت کی، اس کے نتیجے میں وہ حاملہ ہوئی اور اس نے ایک بچے کو جنم دیا جس کی شکل وصورت ان دونوں سے ملتی تھی، جناب فاروق اعظمؓ کی عدالت میں یہ مقدمہ پیش کیا گیا، آپؓ نے قیافہ شناسوں کو بلایا، انہوں نے دیکھ کر کہا کہ بچے کی شکل دونوں سے ملتی ہے، چنانچہ آپؓ نے فیصلہ کیا کہ یہ بچہ دونوں کا ہے، یہ دونوں کا وارث ہوگا اور دونوں اس کے وارث ہوں گے۔(۴۲)

عبدالرزاق عن معمر عن ایوب سختیانی عن محمد بن سیرین کی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی عدالت میں ایک بچہ کا مقدمہ پیش کیا گیا، ایک عجمی سردار اور ایک عربی دونوں اس کے دعویٰ دار تھے، حضرت ابوموسیٰؓ نے قیافہ شناسوں کو بلایا، انہوں نے بچہ دیکھ کر عربی سے کہا: آپ ہمیں اس عجمی کافر سے عزیز تر ہیں مگر یہ آپ کا بیٹا نہیں، لہذا اس بچے کا خیال ترک کردیں، یہ اس کا بیٹا ہے۔(۴۳)

اسی لئے ابن القیم لکھتے ہیں:

ومن ذلك حكم رسول الله صلى الله عليه وسلم وخلفائه من بعده رضى الله عنهم بالقافة وجعلها دليلاً من ادلة ثبوت النسب وليس ههنا الامجرد الامارات والعلامات۔(۴۴)

حضرت عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ، امام عطاء، امام اوزاعی، امام مالکؒ، امام شافعی اور امام احمد قیافہ شناسی کے جواز کے قائل تھے، جبکہ آئمہ اہل بیت اور امام ابوحنیفہ قیافہ شناسی کے قائل نہیں تھے۔امام شافعی کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیافہ کو علم قرار دیا ہے اس کا انکار نہیں کیا، اور اگر یہ غلط ہوتا تو آپؐ اسی کو تسلیم

کرنے سے انکار کر دیتے۔

احناف کہتے ہیں کہ قیافہ شناسی ایک بدعت ہے جو شریعت کی رو سے ناجائز ہے، رہی یہ حدیث تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قیافہ کی اساس پر فیصلہ صادر کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ حضرت اسامہؓ کا نسب اس سے پہلے ثابت تھا اور اس کے اثبات کے لئے شارع کو کسی کے قول کی ضرورت نہ تھی حضور ﷺ کا مجزز کے قیافہ پر اس طرح اظہار تعجب و مسرت کیا جس طرح اس آدمی کے ظن پر اظہار تعجب کیا جاتا ہے جس کا اندازہ حقیقت سے بالکل ہم آہنگ ہوتا ہے، حالانکہ اس اندازے کی بناء پر فیصلہ صادر نہیں کیا جاسکتا۔ رسول کریم ﷺ نے قیافہ شناس کی بات کی تردید اس لئے ضروری نہ سمجھی کہ وہ اس سے کوئی ایسی بات ثابت نہیں کر رہا تھا جو قبل ازیں ثابت نہ تھی۔ (۴۵)

اس سلسلے میں حافظ ابن القیم نے قیافہ کی بنا پر اثبات حکم کے سلسلے میں نہایت عمدہ گفتگو کی ہے اور فقہاء کے تفصیلی دلائل بیان کئے ہیں۔ (۴۶)

۷۔ ڈی این اے ٹیسٹ :۔ عصر حاضر میں علم القیافہ کی طرح ڈی این اے ٹیسٹ کو بھی ایک اہم قرینے کی حیثیت حاصل ہے، ڈی این اے علم الحیات Biology کے شعبہ علم التوارث Genetics کی اصطلاح ہے، یہ ایک کیمیائی شیء ہے جس کا پورا نام Deoxy Ribonucliec Acid '' ڈی آکسی رائبونیوکلک ایسڈ'' ہے جس کو عربی میں بصمة وراثية کہتے ہیں، جو کہ ایک ''موروثی مادہ'' ہے مختصر الفاظ میں اس کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ ڈی این اے ٹیسٹ ایسے موروثی مادہ کا نام ہے جو ہر ذی روح میں موجود سینکڑوں خلیوں میں پایا جاتا ہے، اور ایک نوع کے ذی روح کو اسی نوع کے دوسرے ذی روح سے ممتاز کرتا ہے۔

مذکورہ مادہ کی بنیاد پر اولاد کی شکل وشباہت اور مزاج واطوار میں اولاد اور والدین کی شکل وشباہت، مزاج واطوار میں بڑی حد تک یکسانیت ہوتی ہے، ڈی این اے ٹیسٹ میں مذکورہ مادہ کو لے کر مشین کے ذریعے جانچا جاتا ہے، موروثی خصائل کے حامل اس مادہ کے جانچ کے نتائج بہت سارے معاملات میں فیصلہ کن ہو سکتے ہیں۔ ڈی این اے کے ذریعے سائنسی دنیا میں زبردست انقلاب برپا ہوا ہے اور اس کے بے شمار فوائد وثمرات سامنے آئے ہیں، مثلاً:

۱۔ یہ نظام کسی بھی شخص کی پرسنل آئیڈینٹی فیکشن Personal Identification کر سکتا ہے اور اس کو دوسرے سے اس طور پر ممتاز کر سکتا ہے کہ اشتباہ ممکن ہی نہیں ہے۔

۲۔ یہ طریقہ انسان کی شناخت اس کے اصول وفروع کو پیش نظر رکھتے ہوئے کرتا ہے لہذا والدین اور اولاد کی شناخت نیز ثبوت نسب جیسے مسائل میں اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے اکثر فقہاء کے نزدیک اگر کسی بچے

کے بارے میں چند دعوے دار ہوں اور کسی کے پاس واضح شرعی ثبوت نہ ہو تو ایسے بچے کا نسب ڈی این اے ٹیسٹ کے ذریعے متعین کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ اسی طرح حدود وقصاص کے علاوہ دوسرے جرائم کی تفتیش میں ڈی این اے ٹیسٹ سے مدد لی جاسکتی ہے اور قاضی ضرورت محسوس کرے تو اس پر مجبور بھی کرسکتا ہے، البتہ جو جرائم موجب حدوقصاص ہیں ان کے ثبوت کے لئے منصوص طریقوں کے بجائے ڈی این اے ٹیسٹ کا اعتبار نہیں ہوگا، اگرچہ بعض فقہاء نے ثبوت زنا میں اس ٹیسٹ کو معتبر مانا ہے جبکہ شہادت، اقرار اور قرائن مفقود ہوں اور اگر شہادت کا نصاب پورا نہ ہو تو اس ٹیسٹ سے تلافی کی جاسکتی ہے(۴۷)۔ڈی این اے ٹسٹ کی اہمیت کے بارے میں ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی مجمع الفقہ الاسلامی کے منظور شدہ ایک قرارداد کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''DNA ٹسٹ سائنسی حوالے سے ایسا وسیلہ ہے جو بائیولوجک ولدیت کے تحقق میں کارآمد ثابت ہوتا ہے اور نادر ہے کہ اس میں خطا واقع ہو، DNA ٹسٹ ترقی کرکے قطعی قرائن کی سطح پر آچکا ہے، شرعی حدود کے علاوہ بقیہ مسائل وقضایا میں جمہور فقہاء نے DNA ٹسٹ کا اعتراف کیا ہے، گویا DNA عصر حاضر میں ترقی یافتہ قیافہ کی صورت ہے، مذاہب فقہیہ کے جماہیر نے اسے قبول کیا ہے''(۴۸)

۸۔نزعی بیان:۔ارشاد خداوندی ہے:

فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذَٰلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ(۴۹)

''پھر ہم نے کہا مارو اس مردہ پر اس گائے کا ایک ٹکڑا، اسی طرح زندہ کرے گا اللہ مردوں کو اور دکھاتا ہے تم کو اپنی قدرت کے نمونے تاکہ تم غور کرو''

آیت مذکورہ میں بنی اسرائیل کے ایک واقعہ کا ذکر ہے، بنی اسرائیل کے ایک مال دار شخص کو اس کے بھتیجے نے اس لیے قتل کیا کہ مقتول کے مال کا مالک بن جائے، قاتل نے جن لوگوں پر قتل کا الزام لگایا، انہوں نے حضرت موسی علیہ السلام کی خدمت میں حاضری دی اور اپنی براءت کا اظہار کیا حضرت موسی علیہ السلام نے اللہ تعالی سے دعا کی، وہاں سے وحی نازل ہوئی کہ ایک گائے ذبح کرکے اس کا کوئی حصہ مقتول کے جسم پر لگا دو، مقتول زندہ ہو کر اپنے قاتل کی نشاندہی کرے گا، بنی اسرائیل نے گائے کے بارے میں حضرت موسی علیہ السلام سے بے جا اور غیر ضروری سوالات کئے اور آخر کار انہوں نے گائے کو ذبح کرکے اس کا ایک حصہ مقتول کے جسم پر لگا دیا، جس سے اللہ تعالی کی قدرت سے وہ مردہ جی اٹھا اور اس نے قاتل کی نشاندہی کی اور پھر مر گیا(۵۰)

واقعہ مذکورہ سے بعض فقہا نے یہ استدلال کیا ہے کہ مقتول قریب المرگ نزعی حالت میں اپنے قاتل کی نشاندہی کرے تو اس کے قول کا اعتبار کیا جائیگا، جیسا کہ ابن العربی لکھتے ہیں!

وقال مالك: هذا مما يبين ان قول الميت دمي عند فلان مقبول (۵۱)

''امام مالک کہتے ہیں: اس واقعے سے واضح ہوتا ہے کہ میت (قریب المرگ) کا یہ کہنا کہ مجھے فلان نے قتل کیا ہے تو اسے قبول کیا جائیگا''

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

استدل لمذهب الامام مالكؒ في كون قول الجريح فلان قتلني لوثا بهذه القصة لان القتيل لماحيي سئل عمن قتله فقال فلان قتلني فكان ذالك مقبولا منه لانه لايخبر حينئذ الابالحق ولا يتهم والحالة هذه (۵۲)

''اس آیت سے امام مالک کے مذہب کے لیے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اگر کوئی زخمی شخص یہ کہے کہ فلان شخص نے مجھے قتل کیا ہے تو اس واقعے سے استدلال کرتے ہوئے اس کا یہ قول ثبوت سمجھا جائے گا، اس لیے کہ مقتول کے جی اٹھنے کے بعد اس سے دریافت کرنے پر اس نے بتادیا کہ مجھے فلان قاتل نے قتل کیا ہے، تو اس کے اس قول کا باور کیا گیا، کیونکہ ظاہر ہے کہ دم آخر ایسی حالت میں انسان عموماً سچ ہی بولتا ہے، اور اس وقت اس پر الزام نہیں لگایا جاتا''

امام مالک اپنی بات کے اثبات کے لیے اس حدیث کو بھی بطور دلیل پیش کرتے ہیں، جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک یہودی نے ایک لونڈی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل ڈالا (۵۳)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ لونڈی زیور پہنے ہوئے مدینہ آئی، ایک یہودی نے اسے پتھر مارا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائی گئی، اس وقت اس میں کچھ جان باقی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اقتلكِ فلان (کیا تجھے فلان نے قتل کیا ہے) اس نے انکار میں سر ہلایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ پوچھا تو اس نے پھر اسی طرح سر ہلایا، لیکن جب تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، تو اس نے اثبات میں سر ہلادیا، یہودی کو پکڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا، اس نے خاصی جرح کے بعد آخرکار اعتراف جرم کرلیا، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس کا سر پتھر سے کچل دیا گیا'' (۵۴)

امام مالک کے مذہب کو تقویت دینے کے لیے واقعہ بنی اسرائیل اور مذکورہ روایات کو بطور استدلال نقل

کرنے کے بعد امام الباجی مزید لکھتے ہیں!

واستدلو امن جهة المعنى بان الغالب من احوال الناس عند الموت ان لايتزو دون من الدنيا قتل النفس التى حرم الله بل يسعى الى التوبة والاستغفار والندم على التفريط وردا لمظالم ولا احدابغض الى المقتول من القاتل فمحال ان يتزود من الدنيا سفك دم حرام(۵۵)

''اصحاب مالک نے قریب المرگ مقتول کے نزعی بیان کے معنوی جہت سے بھی استدلال کیا ہے، ان کے نزدیک موت کے وقت لوگوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ (غلط نشاندہی کرکے) ایسا قتل جسے اللہ تعالی نے حرام قرار دیا ہے، کو بطور زاد راہ نہیں لے جانا چاہتے، بلکہ وہ توبہ، استغفار، گناہوں پر ندامت اور مظالم کو رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور مقتول کے نزدیک قاتل (حقیقی) سے زیادہ کوئی مبغوض نہیں ہے، تو محال ہے کہ وہ خون ناحق بہانے کو بطور زادراہ دینا سے لے جائے''

لیکن جمہور علماء کی رائے امام مالکؒ کی رائے کے خلاف ہے، جیسا کہ امام القرطبی لکھتے ہیں:

ومنعه الشافعى وجمهور العلماء قالو: وهو الصحيح لان قول المقتول: دمى عند فلان، او فلان قتلنى، خبر يحتمل الصدق والكذب، ولاخلاف ان دم المدعى عليه معصوم ممنوع اباحة الابيقين، ولايقين مع الاحتمال فبطل اعتبار قول المقتول دمى عند فلان، واما قتيل بنى اسرائيل فكانت معجزة واخبر تعالى انه يجيبه وذلك يتضمن الاخبار بقاتله خبراًجزماً لايدخله احتمال فافترقا (۵۶)

''امام شافعی اور جمہور علما نے امام مالک کے مذہب کو رد کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہی (ہمارا مذہب) صحیح ہے، کیونکہ مقتول کا یہ قول کہ میرا خون فلان پر ہے، یا فلان نے مجھے قتل کیا ہے ایک خبر ہے جو سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال رکھتا ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مدعی علیہ (جس پر قتل کا دعوی کیا گیا ہے) کا خون معصوم اور ممنوع الاباحت ہے، مگر یقین کے ساتھ (کہ اس نے قتل کیا ہے) اور احتمال کے ساتھ یقین حاصل نہیں ہوتا، تو مقتول کے اس قول کا اعتبار باطل ہے کہ میرا قاتل فلان ہے (اور مقتول بنی اسرائیل سے اس پر استدلال صحیح نہیں کیونکہ) بنی اسرائیل کے مقتول کا واقعہ تو ایک معجزہ تھا، اور اللہ تعالی نے خبر دی کہ وہ اسے زندہ کرے گا، اور یہ قاتل (کی نشاندہی)

کے بارے میں ایک ایسی خبر کو متضمن ہے جو یقینی ہے اور جس میں کسی دوسرے احتمال کا کوئی دخل نہیں، پس یہ دونوں علیحدہ ہو گئے۔''

امام مالک نے جس حدیث کو بطور حجت پیش کیا ہے اس کو نقل کرنے کے بعد ابن الطلاع لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ'' واضح اشارہ کلام کی مانند ہے''(۵۷) اس کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمٰن لکھتے ہیں:

''اس کا مطلب یہ ہے کہ زخمی یا مضروب کے کہنے پر اس آدمی کو قتل کیا جا سکتا ہے جس پر وہ جان لیوا زخم یا ضرب لگانے کا الزام عائد کرے اور اس کا اشارہ کلام کے قائم مقام ہوگا، امام مالک کا یہی مسلک ہے جو امام نووی نے بیان کیا ہے (۵۸) لیکن جمہور کی رائے اس کے برعکس ہے، صحیح بخاری کی روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہودی نے قتل کا اقرار کر لیا تھا، یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے باب کا عنوان دیا ہے سوال القاتل حتی یقر والاقرار فی الحدود (۵۹) پھر اس حدیث کو اس باب میں شامل کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کو محض لونڈی کے قول کی بنا پر قتل نہیں کرا دیا تھا (بلکہ قاتل کے اقرار کی بنیاد پر اسے قتل کرنے کا حکم دیا تھا) پس اس سے امام مالک کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ زخمی کے قول کو قبول کر کے ملزم کو قتل کر دیا جائے گا''(۶۰)

بہر حال نزعی بیان قصاص کے مقدمات میں قاتل کی نشاندہی کے لیے ایک اہم قرینہ ہے، جس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، جیسا کہ مولانا عمر احمد لکھتے ہیں.

''نزعی بیان خواہ زبانی ہو یا تحریری، کی بہت بڑی اہمیت ہے اور عام عدالتوں میں اسے قابل قبول سمجھا گیا ہے، اگر کوئی شخص زخمی ہو کر مر جائے اور مرنے سے پہلے وہ اپنے مرنے کا سبب اور واقعہ بیان کر دے کہ اسے کسی شخص نے زخمی کیا اور کیا واقعہ پیش آیا، تو اس کا بیان استغاثہ کے مثل شمار ہو گا، لیکن اس کی چند شرائط ہونی چاہئے. مثلاً:

الف: نزعی بیان مقتول کے اپنے الفاظ میں من وعن درج کیا گیا ہو.

ب: مقتول پر جب حملہ ہوا ہو تو اس کے فوراً بعد اس نے اپنا بیان ریکارڈ کرا دیا ہو، اور اسے زیادہ غور و فکر کرنے اور لوگوں سے مشورہ کرنے کا موقعہ نہ ملا ہو.

ج: مقتول صحیح الدماغ ہو، فائز العقل نہ ہو اور اس نے سارے واقعہ کا شاہدہ کیا ہو.

د: جس جگہ واقعہ وقوع پذیر ہوا وہاں پوری روشنی رہی ہو اور مقتول نے قاتل کو پہچانا ہو۔

ہ: مقتول کے نزعی بیان میں تعارض یا تناقض نہ ہو۔

ان شرائط کے ساتھ نزعی بیان کی شرعی اہمیت ہونی چاہئے اور ہمارے ناقص خیال میں ایسے بیانات کے مطابق فیصلے کئے جاسکتے ہیں'' (۶۱)

خلاصہ بحث:

خلاصہ بحث یہ کہ قرائن کی مدد سے فیصلہ کرنا شریعت کے اصولوں میں سے ایک اہم اصول ہے اور اس کی اہمیت یکساں ہے چاہے کسی دعویٰ کے اثبات کے لئے گواہ یا انکار موجود ہوں یا نہ ہوں۔بعض اوقات ان ہی قرائن کی وجہ سے دعویٰ کو رد کیا جاسکتا ہے اور کبھی کسی مقدمے کا ثبوت یقینی قرائن اور واضح نشانات وعلامات کے ذریعے فراہم ہوسکتا ہے،شریعت نے نہ صرف ان چیزوں کو بھی قابل اعتبار سمجھا ہے بلکہ ان کے ذریعے احکام کو ثابت بھی کیا جاسکتا ہے۔لیکن چونکہ قرائن کو دلیل قطعی کی حیثیت حاصل نہیں بلکہ دلیل ظنی کی حیثیت حاصل ہے اس لئے حدود وقصاص میں صرف قرائن کی بنیاد پر کوئی حد جاری نہیں کرنی چاہئے ،بلکہ حد کی بجائے تعزیری سزا دینے میں زیادہ احتیاط ہے ۔تاہم یہ ضرور ہے کہ قرائن سے شہادت کو تقویت ملتی اور مجرم پر فرد جرم عائد کرنے میں آسانی ہوتی ہے،اس لئے قرائن کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔لہذا حاکم وقاضی کے لئے ضروری ہے کہ وہ فیصلہ کرتے ہوئے ایسے قرائن اور حالات کا پتہ چلائے جن سے مقدمہ کا صحیح فیصلہ کرنے کا راستہ واضح اور روشن ہوسکے،کیونکہ اگر حاکم اور قاضی اس قسم کے اسباب وعلامات اور صحیح قرائن وحالات کو اچھی طرح نہ سمجھتا ہو تو وہ بہت سے حقداروں کی حق تلفی کرے گا اور ایسے فیصلے کرے گا جو عام لوگوں کے نزدیک بھی غلط ہوتے ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) ابن نجیم ،شیخ زین الدین ،بحرالرائق شرح کنزالدقائق ،مصر،دارالکتب العربیۃ الکبریٰ ،۷:۵۵

(۲) البقرہ ۲:۲۸۲

(۳) البقرہ۲:۲۸۳

(۴) المائدہ ۵:۸

(۵) السرخسی ،محمد بن احمد بن ابی سہیل ،المبسوط ،بیروت ،دارالمعرفۃ ،کتاب الشہادۃ ،باب الشہادۃ فی الشراء والبیع ،۱۵۹:۶

(۶) علاؤ الدین ابی الحسن علی بن خلیل الطرابلسی الحنفی ،معین الحکام،مصر،مکتبہ مصطفے البابی، بارسوم ،۱۹۷۳ء الباب الثامن عشر،ص:۱۱۳

(۷) الجرجانی علی بن محمد بن سیدالزین ،التعریفات ،لاہور،مکتبہ رحمانیہ،ص۱۲۳۔

(۸) وہبۃ الزحیلی ،الفقہ الاسلامی وادلتہ،دمشق ،دارالفکر،۱۹۸۹ء القضاء بالقرائن.۶:۶۴۴،۶۴۵

(۹) صالح بن غانم ،القرائن ،مکۃ ،دار بلنسیۃ ،ص ۱۷،بحوالہ سہ ماہی فکرونظر،اسلام آباد،ادارہ تحقیقات اسلامی، ج ۴۰: ش ۳،جنوری۔ مارچ ۲۰۰۳ء

(۱۰) وہبۃ الزحیلی ،الفقہ الاسلامی وادلتہ،دمشق ،دارالفکر،۱۹۸۹ء،۶:۶۴۵

(۱۱) ایضاً ص۶۴۴

(۱۲) الترمذی ،ابوعیسی محمد بن عیسی ،السنن ،ابواب الاحکام ،باب ماجآء انّ البیّنۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ

(۱۳) محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیۃ ، الطرق الحکمیۃ فی سیاسۃ الشرعیۃ ، بیروت دار الکتب العلمیۃ ، بار اول، ۱۹۹۵، ص:۱۰

(۱۴) ایضاً ،ص۳

(۱۵) ایضاً ،ص۴

(۱۶) یوسف،۱۲:۱۸

(۱۷) یوسف،۱۲:۲۶، ۲۷

(۱۸) جصاص، حجۃ الاسلام ابی بکر احمد بن علی الرازی ،احکام القرآن،لاہور،سہیل اکیڈمی ،۱۹۹۱ء،۳:۱۶۸، ۱۶۹

(۱۹) الہراسی ،عمادالدین بن محمد الکیاالہراسی ،احکام القرآن،بیروت ،دارالکتب العلمیہ ،۲۰۰۱ء،۲:۲۳۱

(۲۰) قرطبی، ابی عبداللہ محمد بن احمد الانصاری، الجامع لاحکام القرآن، قاہرہ، دارالکاتب العربی، ۱۹۶۷ء، ۹: ۱۵۰
(۲۱) سید سابق، فقہ السنۃ، پشاور، دارالکتب، ۲: ۵۲۷
(۲۲) الدارقطنی، علی بن محمد، السنن، لاہور، دارنشر الکتب الاسلامیہ، باب الوکالۃ، ۴: ۱۵۴
(۲۳) الطرق الحکمیۃ فی سیاسۃ الشرعیۃ، ص ۱۶
(۲۴) بخاری، محمد بن اسمعیل، الجامع الصحیح، کتاب احادیث الانبیاء، باب ترجمۃ سلیمان علیہ السلام، حدیث نمبر ۳۴۲۷۔ وایضا الجامع الصحیح للمسلم، کتاب الاقضیۃ، باب اختلاف المجتہدین، حدیث نمبر، ۴۴۹۵۔
(۲۵) الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ، ص ۴، ۵
(۲۶) ایضاً، ص: ۵، ۶
(۲۷) معین الحکام، الباب الحادی والخمسون، ص: ۱۶۶
(۲۸) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: معین الحکام، الباب الحادی والخمسون، ص: ۱۶۶
(۲۹) جصاص، احکام القرآن، ۳: ۱۷۱
(۳۰) وھبۃ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، بحث القضاء بالقرائن، ۶: ۶۳۵
(۳۱) ابی یعلی، احمد بن علی بن المثنی الموصلی، المسند، بیروت دار المامون للتراث، ۱۹۸۷، حدیث نمبر: ۶۶۱۸، ۱۱: ۴۹۴۔ والمناوی، محمد عبدالرؤف، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للسیوطی، حدیث نمبر: ۳۱۴، ۱: ۲۲۷
(۳۲) ابن ابی شیبہ، عبداللہ بن محمد، المصنف، کتاب الحدود، باب فی درء الحدود بالشبہات، حدیث نمبر: ۸۵۴۶، ۹: ۵۶۷
(۳۳) ڈاکٹر فدا محمد، پوسٹ مارٹم، سہ ماہی المباحث الاسلامیہ، بنوں، جلد ۲، ش ۲، جون ۲۰۰۴ء تا ستمبر ۲۰۰۴ء، ص ۲۸۔۳۰
(۳۴) قاسمی، مجاہد الاسلام (مرتب کنندہ)، عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، ۱۴۲۲ھ، ص ۱۸۳۔
(۳۵) سید محمد متین ہاشمی، اسلام کا قانون شہادت، لاہور، دیال سنگھ لائبریری، ۱۹۹۸ء، ص ۲۳۲، ۲۳۳
(۳۶) ایضاً، ص ۲۳۳۔۲۳۵
(۳۷) ایضاً، ص، ۲۳۱، ۲۳۲
(۳۸) ایضاً، ص، ۳۲۸، ۳۲۹
(۳۹) دائرۃ المعارف (اردو) لاہور، دانش گاہ پنجاب، ۱۹۷۸ء، ۱۶/۲: ۵۱۸، نیز ملاحظہ ہو، الافریقی، ابوالفضل جمال الدین، لسان العرب، بیروت، دارصادر، ۹: ۲۹۳
(۴۰) البخاری، محمد بن اسمعیل، الجامع الصحیح، کتاب الفرائض، باب القائف
(۴۱) النووی، ابوزکری، یحییٰ بن شرف، المنہاج شرح صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب العمل بالحاق القائف

(۴۲) الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیۃ ،ص،۱۶۹

(۴۳) ایضاً

(۴۴) ایضاً ،ص ۹

(۴۵) العینی ،علامہ بدرالدین ابی محمد محمود بن احمد،عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ،بیروت ،دارالفکر،کتاب الفرائض ،باب القائف ،۲۳:۲۶۴۔نیز مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیۃ ،ص،۱۶۷۔۱۸۲، ضیاء الرحمٰن اعظمی ،حاشیہ (اردو) اقضیۃ الرسول ﷺ لابن الطلاع الاندلسی، لاہور،ادارہ معارف اسلامی ،۱۹۹۱ء،۶۴۴۔۳۴۶

(۴۶) الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیۃ ،ص ۱۶۷۔۱۸۲

(۴۷) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مفتی ظفیر الدین مفتاحی وغیرہ ،ڈی این اے ٹیسٹ اور جینیٹک سائنس سے متعلق شرعی مسائل ،زیرادارت اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا،کراچی ،دارالاشاعت ،۲۰۰۸ء

(۴۸) وھبۃ الزحیلی ،الفقہ الاسلامی وادلتہ،۱۱:۲۵۶

(۴۹) البقرہ،۲:۲۸۳

(۵۰) تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو:ابن کثیر،حافظ عمادالدین ابوالفدا اسمٰعیل ،تفسیر القرآن العظیم ،لاہور ،سہیل اکیڈمی ،۱۳۹۲ھ،۱:۱۰۸۔۱۱۰

(۵۱) ابن العربی،ابوبکر محمد بن عبداللہ،احکام القرآن،بیروت ،دارالمعرفۃ ،۱۹۷۲ء،۱:۲۴

(۵۲) ابن کثیر،تفسیر القرآن العظیم ۱:۱۱۲،۱۱۳

(۵۳) الجامع الصحیح للبخاری،کتاب الدیات، باب سوال القاتل حتی یقر والاقرار فی الحدود، حدیث نمبر ۶۸۷۶

(۵۴) الجامع الصحیح للبخاری،کتاب الدیات، باب اذا قتل بحجر اوبعصا، حدیث نمبر ۶۸۷۷

(۵۵) قاضی ابوالولید،سلیمان بن خلف بن سعد بن ایوب الباجی،المنتقی شرح موطا امام مالک،مصر،مطبعۃ السعادۃ،طبعۃ اولی،۱۳۳۱ھ،کتاب القسامۃ ،تبدئۃ اہل الدم فی اقسامۃ ،۷:۵۶

(۵۶) القرطبی ،الجامع لاحکام القرآن،۱:۲۵۷.

(۵۷) امام ابوعبداللہ محمد بن فرج المالکی ، اقضیۃ الرسول (اردو) لاہور، ادارہ معارف اسلامی، باردوم ۱۹۹۱ء، کتاب الحدود،ص ۱۲۱.

(۵۸) شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب القسامۃ والمحاربین والقصاص والدیات، باب القسامۃ،۲:۵۵

(۵۹) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الدیات، باب سوال القاتل حتی یقر، والاقرار فی احدود، باب نمبر۴

(۶۰) ابن الطلاح، اقضیۃ الرسول، تحقیق محمد ضیاء الرحمن، کتاب الحدود، ص ۱۱۸۔۱۲۱.

(۶۱) مولانا عمر احمد عثمانی، فقہ القرآن، کراچی، ادارہ فکر اسلامی، طبع اول، ۱۹۸۵ھ، ۶: ۱۷۵۔۱۷۷.

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ثبوتِ ہلالِ رمضان وعیدین کی تحقیق

(ایک تنقیدی جائزہ)

حافظ صالح الدین حقانی*

حافظ نظام الدین**

اسلام نے عبادات میں بھی اور اپنے دوسرے احکام میں بھی جن کا تعلق عوام وخواص ہر دو طبقہ سے ہو انسان کو کسی ایسی بات کا مکلف نہیں بنایا ہے جس کی دستیابی دشوار ہو جس کا حصول ہر شخص کے لیے مشکل ہو اور جس کو بڑے حکماء، علماء اور دانشور ہی سمجھ سکیں اور عام لوگوں کے لیے ان کا سمجھنا ممکن نہ ہو۔ اس لیے اسلام میں ایک گونہ وحدت یکسانیت اور اجتماعیت مطلوب ہے اور وہ چاہتا ہے کہ حتی الوسع اسلامی عبادات مسلمانوں کی وحدت اور جماعت کا مظہر ہوں، یہی وجہ ہے کہ اس کو اسلامی حکومت اور محکمہ قضا کا ایک مستقل فریضہ قرار دیا گیا کہ وہ شہادت کے بعد طلوع ہلال کا اعلان کریں تاکہ کسی کے لیے اختلاف کی گنجائش نہ رہے۔ زیرنظر آرٹیکل میں لفظ ہلال کے لغوی تحقیق، اصطلاحی مفہوم اور رؤیت ہلال کے لیے اسلام کا وضع کردہ معیار کو اجاگر کرنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ پوری دنیا میں ایک ہی دن عیدین منانے کی قضیے کو استقصائی مراحل سے گزارنے کی کوشش کی گئی ہیں۔

ہلال:

لفظ ہلال کے بارے میں آئمہ فن کی مندرجہ ذیل آراء ہیں:

(الف) الهلال : هوالطرف المرئى من النصف المضيئى من القمر عندبعده من الشمس اثنا عشرة درجة أو اقل أو اكثر۔ (۱)

(ب) وأهلواالهلال واستهلوه اى رفعو اصواتهم عند رؤيته، وأهل الهلال واستهل اذا أبصروأهل الصبى واستهل اذارفع صوته بالبكاء۔ (۲)

(ج) سمى شهرابإسم الهلال اذا أهلَ والعرب تقول رأيت الشهر أى رأيت هلاله۔ (۳)

---

* اسسٹنٹ پروفیسر/چیئرمین شعبہ اسلامیات وعربی، عبدالولی خان یونیورسٹی مردان، پاکستان۔

** اسکالر پی۔ایچ۔ڈی۔شعبہ اسلامیات وعربی، عبدالولی خان یونیورسٹی مردان، پاکستان۔